

ابن جلال دین

تقلید کی شرعی حیثیت

تقلید کیا ہے؟

امام اندلس، حافظ ابن عبد البرؒ (368-463ھ) نے تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

وَالْتَقْلِيدُ أَنْ تَقُولَ بِقَوْلِهِ، وَأَنْتَ لَا تَعْرِفُ وَجْهَ الْقَوْلِ، وَلَا مَعْنَاهُ، وَتَأْتِي مَنْ سِوَاهُ، أَوْ أَنَّ يَتَبَيَّنَ لَكَ خَطَاؤُهُ، فَتَتَّبِعُهُ مَهَابَةً خِلَافَهُ، وَأَنْتَ قَدْ بَانَ لَكَ فَسَادُ قَوْلِهِ، وَهَذَا مُحَرَّمٌ الْقَوْلُ بِهِ فِي دِينِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى.

”تقلید یہ ہے کہ آپ اس (معین شخص) کی بات کو تسلیم کر لیں، حالانکہ آپ کو نہ اس کی دلیل معلوم ہو، نہ اس کا معنی اور اس کے علاوہ آپ ہر بات کا انکار کریں۔ یا یوں سمجھیں کہ آپ پر اس (معین شخص) کی غلطی واضح ہو جائے تو پھر بھی اس کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے اسی کی پیروی کرتے رہیں۔ ایسا کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت میں حرام ہے۔“

(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/787)

علامہ محمد بن احمد بن اسحاق بن خواز، ابو عبد اللہ مصری مالکی کہتے ہیں:

التَّقْلِيدُ، مَعْنَاهُ فِي الشَّرْعِ الرَّجُوعُ إِلَى قَوْلٍ لَا حُجَّةَ لِقَائِلِهِ عَلَيْهِ، وَهَذَا مَمْنُوعٌ فِي الشَّرِيعَةِ.

”تقلید کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایسے قول کی طرف رجوع کیا جائے جس کی قائل کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ میں یہ کام ممنوع ہے۔“ (جامع بیان العلم و فضلہ: 2/992)

معلوم ہوا کہ تقلید ممنوع اور خلاف شرع ہے۔ وحی اور دین کے مقابلے میں انسانوں کی آراء کو عقائد و اعمال میں دلیل بنانا اہل ایمان کا شیوا نہیں۔ اہل علم و عقل کا اس بات پر

اجماع ہے کہ تقلید حرام اور ممنوع ہے۔ قرآن و حدیث سے اس کی مذمت ثابت ہے، نیز ضلالت و جہالت کا دوسرا نام تقلید ہے۔

تقلید جہالت ہے :

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) تقلید کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَالْمُقَلِّدُ لَا عِلْمَ لَهُ، وَلَمْ يَخْتَلِفُوا فِي ذَلِكَ.

”اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مقلد جاہل مطلق ہوتا ہے۔“

(جامع بیان العلم وفضله: 992/2)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَالْتَقْلِيدُ لَيْسَ بِعِلْمٍ بِاتِّفَاقٍ أَهْلُ الْعِلْمِ.

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید، علم نہیں (جہالت ہے)۔“ (إعلام الموقعين عن رب العالمين: 169/2)

نیز فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَيْسَ عِلْمًا بِاتِّفَاقٍ النَّاسِ.

”سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ تقلید علم نہیں (بلکہ جہالت ہے)۔“

(إعلام الموقعين عن رب العالمين: 215/2)

تقلید کی خرابیاں :

تقلید وہ بُری مَونث ہے جو ہر وقت بُرائیاں جنم دیتی رہتی ہے۔ اس کے باعث انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا گیا، ان کی نبوت کا انکار کیا گیا اور ان کی دعوت کو جھٹلایا گیا۔ اسی تقلید نے انسانوں کو دین الہی کا باغی بنا دیا، ان کو اللہ کے دین کے مقابلے میں دین ایجاد کرنے پر اُکسایا، اجماع امت کا مخالف بنایا، حق کا دشمن بنایا اور سلف صالحین وائمہ دین سے بیگانہ کیا۔ اسی تقلید نے انسانیت سے علم و عقل کا زیور چھین لیا اور وحدت امت کا شیرازہ بکھیرتے ہوئے اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ کرتے ہوئے ہر جگہ منافرت اور

کدورتوں کے بیچ بودیئے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تقلید کی قباحیتیں ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

وَأَمَّا الْمُتَعَصِّبُونَ فَإِنَّهُمْ عَكَسُوا الْقَضِيَّةَ، وَنَظَرُوا فِي السُّنَّةِ، فَمَا وَافَقَ أَقْوَالَهُمْ مِنْهَا قَبِلُوهُ، وَمَا خَالَفَهَا تَحَيَّلُوا فِي رَدِّهِ أَوْ رَدِّ دَلَالَتِهِ، وَإِذَا جَاءَ نَظِيرُ ذَلِكَ أَوْ أَضْعَفُ مِنْهُ سَنَدًا وَدَلَالَةً، وَكَانَ يُوَافِقُ قَوْلَهُمْ قَبْلُوهُ، وَلَمْ يَسْتَجِيزُوا رَدَّهُ، وَاعْتَرَضُوا بِهِ عَلَى مُنَازَعِهِمْ، وَأَشَاحُوا وَقَرَّرُوا الْإِخْتِجَاجَ بِذَلِكَ السَّنَدِ وَدَلَالَتِهِ، فَإِذَا جَاءَ ذَلِكَ السَّنَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ أَقْوَى مِنْهُ، وَدَلَالَتُهُ كَدَلَالَةِ ذَلِكَ أَوْ أَقْوَى مِنْهُ فِي خِلَافِ قَوْلِهِمْ، دَفَعُوهُ وَلَمْ يَقْبَلُوهُ، وَسَنَدُكُ مِنْ هَذَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ طَرَفًا، عِنْدَ ذِكْرِ غَائِلَةِ التَّقْلِيدِ وَفَسَادِهِ، وَالْفَرْقِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِتِّبَاعِ.

”متعصب لوگوں نے معاملے کو برعکس کر دیا اور جو حدیث

اپنے ائمہ کے اقوال کے مطابق ملی، اسے لے لیا اور جو ان کے خلاف معلوم ہوئی، کسی نہ کسی حیلے سے اسے رد کر دیا، اس کا معنی و مفہوم بدلنے کی کوشش کی، اس سے بہت کمزور سند والی اور کمزور دلالت والی حدیث اگر ان کے مذہب کے موافق معلوم ہوئی تو اسے قبول کر لیا، اس کو رد کرنے والوں کے سر ہو گئے اور اپنے مخالف کے سامنے اس پر ڈٹ گئے، اس کے لیے تمام جتن کر ڈالے، حالانکہ خود اپنے امام کے خلاف پا کر اس سے بہت واضح دلالت والی حدیث کو درخور اعتناء نہ سمجھتے ہوئے پورے زور سے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ ہم اس طرح کی مثالیں تقلید کی قباحیت و شاعت کے بیان میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ، وہیں پر اس تقلید کی خرابیاں، بُرائیاں اور بیہودگیاں بھی معلوم ہوں گی اور وہیں پر ہم اتباع اور تقلید کا فرق بھی بیان کریں گے۔“ (إعلام الموقعين: 60/1)

شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ (577-660ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْعَجَبِ الْعَجِيبِ أَنَّ الْفُقَهَاءَ الْمُقَلِّدِينَ يَقِفُ أَحَدُهُمْ عَلَى ضَعْفٍ مَّاخِذِ إِمَامِهِ، بِحَيْثُ لَا يَجِدُ لِضَعْفِهِ مَدْفَعًا، وَمَعَ هَذَا يُقَلِّدُهُ فِيهِ، وَيَتْرُكُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْأَقْيَسَةِ الصَّحِيحَةِ لِمَذْهَبِهِ، جُمُودًا عَلَى تَقْلِيدِ إِمَامِهِ، بَلْ يَتَحَلَّلُ لِدَفْعِ ظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَيَتَأَوَّلُهُمَا بِالتَّأْوِيلَاتِ الْبَعِيدَةِ الْبَاطِلَةِ، نِضَالًا عَنْ مُقَلِّدِهِ، وَقَدْ رَأَيْنَاهُمْ يَجْتَمِعُونَ فِي الْمَجَالِسِ، فَإِذَا ذُكِرَ لِأَحَدِهِمْ فِي خِلَافٍ مَا وَطَنَ نَفْسَهُ عَلَيْهِ تَعَجَّبَ مِنْهُ غَايَةَ التَّعَجُّبِ، مِنْ غَيْرِ اسْتِزْوَاحٍ إِلَى دَلِيلٍ، بَلْ لِمَا أَلْفَهُ مِنْ تَقْلِيدِ إِمَامِهِ، حَتَّى ظَنَّ أَنَّ الْحَقَّ مُنْحَصِرٌ فِي مَذْهَبِ إِمَامِهِ، وَلَوْ تَدَبَّرَهُ لَكَانَ تَعَجُّبُهُ مِنْ مَذْهَبِ إِمَامِهِ أَوْلَى مِنْ تَعَجُّبِهِ مِنْ مَذْهَبِ غَيْرِهِ، فَالْبَحْثُ مَعَ هَؤُلَاءِ ضَائِعٌ، مُفْضٍ إِلَى التَّقَاطُعِ وَالتَّدَابُرِ، مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ يُجَدِّبُهَا، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا رَجَعَ عَنْ مَذْهَبِ إِمَامِهِ، إِذَا ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ فِي غَيْرِهِ، بَلْ يُصِرُّ عَلَيْهِ مَعَ عِلْمِهِ بِضَعْفِهِ وَبُعْدِهِ، فَالْأَوْلَى تَرْكُ الْبَحْثِ مَعَ هَؤُلَاءِ، الَّذِينَ إِذَا عَجَزَ أَحَدُهُمْ عَنْ تَمْشِيَةِ مَذْهَبِ إِمَامِهِ، قَالَ: لَعَلَّ إِمَامِي وَقَفَ عَلَى دَلِيلٍ لَمْ أَفِفْ عَلَيْهِ وَلَمْ أَهْتَدِ إِلَيْهِ، وَلَا يَعْلَمُ الْمُسْكِينُ أَنَّ هَذَا مُقَابِلٌ بِمِثْلِهِ، وَيَفْضُلُ لِخَصْمِهِ مَا ذَكَرَهُ مِنَ الدَّلِيلِ الْوَاضِحِ وَالْبُرْهَانِ اللَّائِحِ، فَسُبْحَانَ اللَّهِ، مَا أَكْثَرَ مَنْ أَعْمَى التَّقْلِيدُ بَصَرَهُ، حَتَّى حَمَلَهُ عَلَى مِثْلِ مَا ذُكِرَ! وَفَقَّنَا اللَّهُ لِاتِّبَاعِ الْحَقِّ، أَيْنَ مَا كَانَ وَعَلَى لِسَانٍ مَنْ ظَهَرَ، وَأَيْنَ هَذَا مِنْ مُنَازَرَةِ السَّلَفِ وَمُشَاوَرَتِهِمْ فِي الْأَحْكَامِ، وَمُسَارَعَتِهِمْ إِلَى اتِّبَاعِ الْحَقِّ، إِذَا ظَهَرَ عَلَى لِسَانِ الْخَصْمِ.

”کتنی تعجب خیز بات ہے کہ ہر مقلد فقیہ اپنے امام کی کمزور بات پر ڈٹ جاتا ہے، حالانکہ وہ اس کمزوری کا کوئی توڑ بھی نہیں جانتا ہوتا۔ پھر بھی وہ اس مسئلے میں اسی امام کی تقلید کرتے ہوئے قرآن و سنت اور قیاس صحیح کے روز روشن کی طرح واضح دلائل کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ یہ کام صرف اپنے امام کے مذہب پر جمود کی وجہ سے کرتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ وہ اپنے امام کا ناحق دفاع کرنے کی خاطر قرآن و حدیث کے اصل معانی کو بدلنے اور اس میں دوراز کار تاویلات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم نے مقلدین کو علمی مجالس میں جمع ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے، جب ان میں سے کسی کے سامنے ایسی بات کر دی جائے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو بغیر کوئی دلیل ذکر کیے اسے عجیب و غریب قرار دیتا ہے۔ دراصل وہ اپنے امام کی تقلید سے اتنا مانوس ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کسی مذہب کو حق نہیں سمجھتا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث فضول ہے، بلکہ اس سے بجائے فائدے کے قطع رحمی اور بغض و کینہ حاصل ہوتا ہے۔ میں نے ان لوگوں میں سے کسی کو اپنے امام کے مذہب سے رجوع کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حالانکہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں کوئی دوسرا مذہب حق پر ہے۔ وہ اپنے امام کے مذہب کو کمزور اور دوراز کار جاننے کے باوجود بھی اسی کے ساتھ چپے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ جب ان میں سے کوئی اپنے امام کے مذہب کو دلائل سے ثابت کرنے سے عاجز آ جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ شاید میرے امام کے پاس وہ دلیل ہو جو مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ اس بیچارے کو اتنا شعور بھی نہیں ہوتا کہ اسے بھی کوئی مخالف یہی بات کہہ سکتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے یہ بیان اس کے مخالف کے لیے زیادہ واضح اور ٹھوس دلیل بن جائے گا۔ سبحان اللہ! لوگوں کو تقلید نے کتنا اندھا کر دیا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کا اتباع کرنے کی توفیق دے، وہ کہیں بھی ہو اور کسی کی زبان پر جاری ہو۔ کہاں یہ روش اور کہاں سلف صالحین کا آپس میں معنی خیز بحث و مباحثہ،

مسائل میں ان کی باہمی مشاوت اور مخالف کی زبانی حق کو سن کر اس کی پیروی میں جلدی!۔“

(قواعد الأحكام في مصالح الأنام: 2/135، وفي نسخة: 159)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1863-1943ء) تقلید کے مفاسد یوں بیان کرتے ہیں: ”اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام، بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے، ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو، بلکہ مجتہد کی دلیل اُس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو، مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح و صریح پر عمل کر لیں۔“ (تذکرۃ الرشید: 1/131)

شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی (1114-1176ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ بَلَّغْنَا حَدِيثَ مَنْ الرُّسُولِ الْمَعْصُومِ، الَّذِي فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهُ، بِسَنَدٍ صَالِحٍ يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ مَذْهَبِهِ، وَتَرَكْنَا حَدِيثَهُ، وَاتَّبَعْنَا ذَلِكَ التَّخْمِينَ، فَمَنْ أَظْلَمُ مِنَّا، وَمَا عُذْرُنَا يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ؟

”اگر ہمارے پاس اس رسولِ معصوم ﷺ کی حدیث قابلِ حجت سند کے ساتھ پہنچ جائے، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث ہمارے امام کے مذہب کے خلاف جاتی ہو اور ہم نبی اکرم ﷺ کی حدیث کو چھوڑ کر اس ظن کی پیروی میں لگ جائیں، تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس دن ہمارا کیا عذر ہوگا؟“ (حجۃ اللہ البالغۃ: 1/156)

تقلید میں ردّ حدیث کی دو مثالیں

اب ہم دو مثالیں ذکر کریں گے، جن سے معلوم ہوگا کہ مقلدین اپنے امام کے مذہب

کے خلاف حدیث کو کس طرح رد کرتے ہیں اور کس طرح اس میں دروازہ کار اور مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں۔

مثال نمبر ① : تقلید اور سواری پر وتر کی ادائیگی

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور سنت رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ سے سواری پر وتر ادا کرنا ثابت ہے، جیسا کہ:

① صحابی جلیل، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ،
يَوْمِي إِيْمَاءً، صَلَاةَ اللَّيْلِ، إِلَّا الْفَرَائِضَ، وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ.

”نبی اکرم ﷺ فرائض کے علاوہ باقی نماز سفر میں اپنی سواری ہی پر ادا کر لیتے تھے، اس کا رخ جس طرف بھی ہوتا، آپ ﷺ اشارے سے نماز پڑھ لیتے تھے اور وتر بھی سواری پر ادا فرماتے تھے۔“ (صحیح البخاری: 1/136، ح: 1000، صحیح مسلم: 1/244، ح: 700)

② عظیم تابعی، سعید بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا
خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ
كُنْتَ؟ فَقُلْتُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: أَلَيْسَ
لَكَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى، وَاللَّهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ.

”میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ جب مجھے صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے سواری سے نیچے اتر کر وتر ادا کیے، پھر میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا: تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے کہا: مجھے صبح صادق

طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے سواری سے اتر کر وتر ادا کر لیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ قابل عمل نہیں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ اونٹ پر وتر ادا کر لیا کرتے تھے۔“

(صحیح البخاری: 1/136، ح: 999، صحیح مسلم: 1/244، ح: 36/700)

③ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ. ”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر (نفل) نماز پڑھ لیتے اور وتر بھی اسی پر ادا فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔“

(صحیح البخاری: 1095، صحیح مسلم: 700)

④ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ. ”نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر وتر ادا فرما لیتے تھے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: 6/2، وسنده صحيح)

سواری پر وتر اور صحابی رسول سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما:

✽ جریر بن حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِنَافِعٍ: أَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ؟ قَالَ: وَهَلْ لِّلْوَتْرِ فَضِيلَةٌ عَلَى سَائِرِ التَّطَوُّعِ؟ إِي، وَاللَّهِ! لَقَدْ كَانَ يُوتِرُ عَلَيْهَا.

”میں نے نافع (مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر ادا کر لیتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: کیا وتر کو باقی نوافل پر کوئی فضیلت ہے (کہ وہ سواری پر ادا نہ کیا جاسکتے)؟۔ اللہ کی قسم! وہ سواری پر وتر (بھی) ادا کر لیا کرتے تھے۔“

(السنن الكبرى للبيهقي: 6/2، وسنده صحيح)

امام عبد اللہ بن دینار تابعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَلِكَ . ”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر ادا کیا

کرتے تھے۔“ (السنن الکبریٰ للنسائی: 456/1، تہذیب الآثار للطبری: 542/1، وسندہ صحیح)

عظیم تابعی، امام سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ كَانَ يُصَلِّي فِي اللَّيْلِ، وَيُوتِرُ رَاكِبًا عَلَى بَعِيرِهِ، لَا يُبَالِي حَيْثُ وَجَّهَهُ . ”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز ادا فرماتے تو اپنی سواری پر ہی وتر ادا کر لیا کرتے تھے، اس کا رخ جس طرف بھی ہوتا۔“

(مسند الإمام أحمد: 105/2، وسندہ صحیح)

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور فقہائے امت:

عظیم المرتبت تابعی، فقیہ امت، امام حسن بصری رحمہ اللہ (م: 110ھ) کے بارے میں ہے:

كَانَ الْحَسَنُ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يُوتِرَ الرَّجُلُ عَلَى رَاحِلَتِهِ .

”وہ اس بات میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے کہ آدمی اپنی سواری پر وتر پڑھے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: 98/2، وسندہ حسن)

امام موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ رَأَيْتُ أَنَا سَالِمًا يَصْنَعُ ذَلِكَ . ”میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ

کو سواری پر وتر ادا کرتے ہوئے دیکھا۔“ (مسند الإمام أحمد: 105/2، وسندہ صحیح)

جلیل القدر تابعی، مشہور فقیہ، نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ (م: 117ھ) کے بیٹے ان کے

بارے میں بیان کرتے ہیں: إِنَّ أَبَاهُ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ .

”ان کے والد (نافع رحمہ اللہ) اونٹ پر وتر ادا کر لیا کرتے تھے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: 97/2، وسندہ صحیح)

فقیہ عراق، امام ابو عبداللہ، سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ (97-161ھ) فرماتے ہیں:

أَعْجَبُ إِلَيَّ أَنْ يُوتِرَ عَلَى الْأَرْضِ، وَأَيُّ ذَلِكَ فَعَلَ، أَجْزَأَهُ .

”مجھے زمین پر وتر پڑھنا زیادہ پسند ہے، لیکن جیسے بھی پڑھ لیے جائیں، جائز ہیں۔“

(تہذیب الآثار للطبری: 545/1، وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ سواری پر وتر ادا کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هَذَا، وَرَأَوْا أَنَّ يُوتَرُ الرَّجُلُ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

”اس حدیث پر بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم نے عمل کیا ہے اور ان کی رائے میں آدمی کا اپنی سواری پر وتر ادا کرنا جائز ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔“ (سنن الترمذی، تحت الحديث: 472)

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) کے بیٹے ابو فضل صالح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبِي: يُوتَرُ الرَّجُلُ عَلَى بَعِيرِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَدْ أَوْتَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعِيرِهِ.

”میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا آدمی اپنے اونٹ پر وتر ادا کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، یقیناً نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ پر وتر ادا فرمائے ہیں۔“

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه أبي الفضل صالح: 2/57، الرقم: 859)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (161-238ھ) فرماتے ہیں:

السُّنَّةُ الْوُتَرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ.

”سفر میں سواری پر وتر ادا کرنا سنت رسول ہے۔“

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه للكوسج: 2/650، الرقم: 297)

مشہور امام، ابو محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن فضل بن بہرام دارمی رحمہ اللہ (181-255ھ) نے جب سواری پر وتر ادا کرنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی تو ان سے پوچھا گیا:

تَأْخُذُ بِهِ؟

کیا آپ اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ.

”ہاں، (میں اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں)۔“

(سنن الدارمی: 991/2)

امام اہل سنت، رئیس المفسرین، ابو جعفر، محمد بن جریر، طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) سواری پر وتر کے بارے میں اختلاف اور دلائل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِي الْوُتْرِ رَاكِبًا، قَوْلُ مَنْ أَجَازَهُ، لِمَعَانٍ: أَحَدُهَا صِحَّةُ الْخَبَرِ الْوَارِدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، وَهُوَ الْإِمَامُ الْمُقْتَدَى بِهِ.

”سواری پر وتر کی ادائیگی (کے جواز اور عدم جواز) کے بارے میں اس شخص کی بات درست ہے، جو اسے جائز کہتا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سواری پر وتر ادا کرنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے مروی احادیث ثابت ہیں اور آپ ﷺ ہی وہ امام ہیں جن کی اقتدا کی جانی چاہیے۔“ (تہذیب الآثار للطبری: 5/545)

امام الائمہ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ (223-311ھ) حدیث ابن عمر پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

بَابُ إِبَاحَةِ الْوُتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ. ”سواری پر وتر کے جائز ہونے کا بیان۔“

(صحیح ابن خزیمہ: 2/249)

امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) اس کے جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذَكَرُ الْوُتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ، ثَبَتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ.

”سواری پر وتر ادا کرنے کا بیان۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سواری

پر وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔“ (الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: 5/201)

علامہ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) نے یوں باب قائم کیا ہے:

بَابُ جَوَازِ الْوُتْرِ جَالِسًا، وَعَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ.

”اس بات کا بیان کہ بیٹھ کر وتر پڑھنا اور سفر میں سواری پر وتر ادا کرنا جائز ہے۔“

(خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام: 1/562)

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور فقہ حنفی:

اس صحیح و ثابت سنت رسول، عمل صحابہ، فہم ائمہ دین اور فقہائے امت کے خلاف سواری

پر وتر ادا کرنے کے بارے میں فقہ حنفی کا فتویٰ یہ ہے:

”وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُؤْتَرَ عَلَى رَاحِلَتِهِ. “سواری پر وتر ادا کرنا جائز نہیں۔“

(الفتاویٰ الہندیۃ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری: 111/1، البناۃ شرح الہدایۃ للعینی

الحنفی: 477/2، البحر الرائق لابن نجیم الحنفی: 41/2)

سنت رسول اور حنفی تاویلات:

قارئین کرام صحیح احادیث سے یہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سواری پر وتر ادا کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی سنت سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ائمہ دین اور فقہائے امت نے اسے سنت رسول ہی بتایا ہے۔

اس صحیح و ثابت سنت رسول کو قبول کرنے کی سعادت احناف کے حصے میں نہیں آئی، بلکہ انہوں نے اسے اپنی نام نہاد فقہ کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے اس میں عجیب و غریب تاویلات اور گمراہ کن دعوے کیے ہیں۔ آئیے ان تاویلاتِ باطلہ کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

تاویل نمبر ①: دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جناب انور شاہ

کشمیری دیوبندی صاحب (1875-1933ء) لکھتے ہیں:

أَمَّا ابْنُ عُمَرَ، فَالْجَوَابُ عِنْدِي أَنَّهُ مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْوُتْرِ وَصَلَاةِ اللَّيْلِ، وَكَانَ يُطْلِقُ الْوُتْرَ عَلَى الْمَجْمُوعِ، فَيُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ مَا ذَكَرَهُ مِنْ وَتْرِهِ عَلَى الدَّائِمَةِ، هِيَ صَلَاةُ اللَّيْلِ.

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کا تو میرے پاس یہ جواب ہے کہ وہ وتر اور نماز تہجد میں فرق نہیں کرتے تھے، بلکہ ساری نماز کے لیے وتر ہی کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سواری پر آپ ﷺ کے وتر کا جو ذکر کیا ہے، اس سے مراد تہجد کی نماز ہو۔“

(فیض الباری: 3/194)

علامہ زیلعی حنفی (م: 762ھ) اور علامہ عینی حنفی (م: 855ھ) نے کیا خوب کہا ہے کہ:

”الْمَقْلَدُ ذَهْلٌ، وَالْمَقْلَدُ جَهْلٌ. “مقلد حقائق سے چشم پوشی کرنے والا

اور جاہل ہوتا ہے۔“ (نصب الراية للزبيعي: 1/219، 3/228، البناية شرح الهداية للعيني: 1/317)
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فہم پر یہ جملہ دیکھ کر ہمیں بھی بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس مسئلے میں شاہ صاحب نے علم و عقل سے خوب دشمنی کمائی ہے۔ یہ احادیث بول بول بتا رہی ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں وتر اور تہجد کو نہ خود ایک سمجھا ہے، نہ اپنے شاگرد سعید بن یسار تابعی کے سامنے اسے ایک شمار کیا ہے، بلکہ ان کی مراد سراسر اصطلاحی وتر ہی تھی۔ یہ بات ادنیٰ شعور رکھنے والے شخص کو ادنیٰ غور و فکر سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

تابعی سعید بن یسار رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے استفسار پر بتایا تھا کہ:
خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ.

”مجھے صبح صادق کے طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے اُتر پر وتر ادا کر لیے۔“

کیا جب اتنا تھوڑا وقت ہو کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کا خدشہ ہو رہا ہو تو پوری نماز تہجد ادا کی جاسکتی ہے؟ کیا کوئی عقل مند اس طرح کی ہفوات پر کان دھر سکتا ہے؟
آئیے اب ہم آپ کو یہی بات حدیث رسول کی روشنی میں بتاتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟
فَقَالَ: «مَنْنَى مَنْنَى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتَرِ بِوَاحِدَةٍ».

”ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے پوچھا: رات کی نماز (تہجد) کس طرح پڑھنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دو دور رکعت کر کے۔ پھر جب صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو ایک وتر ادا کر لے۔“

(صحیح البخاری: 473، صحیح مسلم: 749)

یعنی بقول رسول مقبول ﷺ بھی جب صبح صادق طلوع ہونے کے قریب ہو تو اصطلاحی وتر ہی ادا کیے جاتے ہیں۔ اب کس کس حدیث کی مخالفت پر افسوس کریں! اس

حدیث میں خود رسول اکرم ﷺ نے ایک وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، لیکن احناف اسے بھی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ بھلا مؤخر الذکر حدیث سننے کے بعد کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کے عین قریبی وقت میں وتر پڑھنے سے مراد تہجد پڑھنا ہے؟ یہ حدیث بھی رسول اکرم ﷺ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی نے بیان کی ہے۔ بھلا وہ کیسے سعید بن یسار کے اصطلاحی وتر کو تہجد سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے؟ فہم کی ایسی غلطی میں تو کوئی ادنیٰ شعور رکھنے والا عام آدمی بھی مبتلا نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ پہلی حدیث میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی نے رسول اکرم ﷺ کی نماز تہجد اور وتر دونوں کو الگ الگ ذکر کر کے یہ صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ تہجد اور وتر دونوں کو سواری پر ادا فرمایا کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی یہ بہانہ کر سکے گا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما تہجد اور وتر، دونوں کو وتر کہتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ تیسری روایت میں نافع تابعی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ وتر اپنی سواری ہی پر ادا کر لیا کرتے تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نافع تابعی رضی اللہ عنہ بھی تہجد کو وتر کہتے تھے؟

چوتھی بات یہ کہ احناف کے متقدمین علماء اس بات کے اقراری تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے سواری پر اصطلاحی وتر ہی ادا کیے تھے۔ آئندہ اعتراض کے ضمن میں امام طحاوی حنفی کا یہ اعتراف آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ ﷺ کے سواری پر وتر سے مراد تہجد لینا خالص کشمیری اختراع ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان سے پہلے کسی مسلمان نے ایسا نہیں کہا۔

پانچویں بات یہ کہ سعید بن یسار تابعی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سن کر کوئی معارضہ نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے تو وتر ادا کیا ہے، جبکہ آپ کی بیان کردہ حدیث کے مطابق تو رسول اکرم ﷺ سواری پر وتر نہیں، بلکہ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ پھر ائمہ دین اور فقہائے امت کا فہم اس پر مستزاد ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام

اسحاق بن راہویہ، امام ابن خزمیہ وغیرہم رحمہم اللہ کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سواری پر وتر کو بابُ الوترِ علی الدابة (سواری پر وتر پڑھنے کا بیان) کی تبویب کر کے اصطلاحی وتر ہی سمجھا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہاد اور ان کی فقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے تو خود انور شاہ کشمیری صاحب نے لکھا ہے:

فَإِنَّهُ لَيْسَ بِمُقَلِّدٍ لِلْأَحْنَفِ وَالشَّافِعِيَّةِ . ”امام بخاری رحمہ اللہ حنفی یا

شافعی مقلد نہیں تھے۔“ (العرف الشذی: 106/1)

یعنی ان احادیث میں وتر سے اصطلاحی وتر ہی مراد ہے، مجتہدین امت کا یہی فیصلہ ہے، ایسا نہیں کہ ہم احناف کی مخالفت میں ایسا کر رہے ہیں۔ جن محدثین کرام نے احادیث پر فقہی تبویب کی ہے، سب نے اس حدیث سے اصطلاحی وتر ہی مراد لیا ہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی مقلدین واضح احادیث کی باطل تاویلات پر اتر آتے ہیں، کیونکہ انہوں نے حدیث کے خلاف اپنے امام کی ”لایجوز“ کی لاج جو رکھنی ہے، خواہ انہیں منکرین حدیث کا انداز ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ ہم تو حدیث کی مخالفت پر ایسے لوگوں سے وہی سوال کریں گے جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن یسار تابعی سے سواری پر وتر نہ پڑھنے پر فرمایا تھا کہ:

أَمَّا لَكَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

”کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ قابل عمل نہیں ہے؟“

فرق صرف یہ ہے کہ سعید بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے تو حدیث کا علم نہ ہونے کی بنا پر ایسا کیا تھا، لیکن ہمارے احناف بھائی نہ صرف حدیث کو بخوبی جانتے بوجھتے ایسا کرتے ہیں، بلکہ اس سنت سے روکنے کے لیے ایسے اچھے ہتھکنڈے بھی اپناتے ہیں، جن سے فہم صحابہ و فقاہت فقہائے امت کی فقاہت پر سخت زد آتی ہے۔ اہل انصاف کو غور و فکر کی درمندانہ اپیل ہے!

اعتراض نمبر ② : امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں :

فَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ وَتَرِهِ عَلَى الرَّاحِلَةِ كَانَ ذَلِكَ مِنْهُ قَبْلَ تَأْكِيدِهِ إِيَّاهُ، ثُمَّ أَكَّدَهُ مِنْ بَعْدِ نَسْخِ ذَلِكَ. ”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ ﷺ کا سواری پر وتر پڑھنا ذکر کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ وتر کی تاکید (وجوب) سے پہلے کا واقعہ ہو، پھر اس کے نسخ کے بعد آپ ﷺ نے وتر کی تاکید کر دی ہو۔“ (شرح معاني الآثار: 430/1)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کے دعویٰ نسخ پر شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

لِكِنَّهُ يُكْثَرُ مِنْ ادِّعَاءِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ. ”لیکن امام طحاوی محض احتمال کی بنا پر بکثرت نسخ کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔“ (فتح الباری فی شرح صحیح البخاری: 487/9)

جب اپنا فقہی مذہب حدیث کے خلاف ہو اور کوئی جواب نہ بن پڑے تو آلہ نسخ کا بلادریغ استعمال کرتے ہوئے احادیث کو رد کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز وتر کے وجوب کی حقیقت ایک مفروضے سے بڑھ کر نہیں، دلائل شرعیہ یہی بتاتے ہیں کہ نماز وتر نفل ہی ہے۔ دوسرے کوئی احناف سے پوچھے کہ نماز وتر کی تاکید کب ہوئی؟ جب تک ٹھوس قرائن و شواہد سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کون سا معاملہ پہلے کا اور کون سا بعد کا ہے، اس وقت تک نسخ کا دعویٰ ہی مردود ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) سواری پر وتر پڑھنے کو منسوخ کہنے کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ دَعْوَى النَّسْخِ فِيمَا رُوِيَ فِي ذَلِكَ، بِمَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوَتْرِ، مِنْ غَيْرِ تَارِيخٍ، وَلَا سَبَبٍ، يَدُلُّ عَلَى النَّسْخِ.

”وتر کی تاکید والی حدیث سے سواری پر وتر کی ادائیگی کے بارے میں مروی حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ جائز نہیں۔ دعویٰ نسخ پر وقت کا علم، کوئی تاریخ یا کوئی سبب موجود

نہیں۔“ (معرفۃ السنن والآثار: 448/3)

وَمَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوُتْرِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ أَوَّلُ مَا شَرَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرَ، وَإِنَّمَا صَلَّاهَا عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ مَا شَرَعَهَا، وَأَخْبَرَ أُمَّتَهُ بِأَمْرِهُمْ بِهَا، إِنْ ثَبَتَ الْحَدِيثُ عَنْهُ، فَكَيْفَ يَكُونُ ذَلِكَ نَاسِخًا لِّمَا صَنَعَ فِيهَا بَعْدَهُ؟

”وُتر کی تاکید کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز وُتر کی مشروعیت کے بالکل آغاز کی بات ہے، جبکہ سواری پر وُتر نبی اکرم ﷺ نے اس کی مشروعیت اور اس کی تاکید کے بعد پڑھے ہیں۔ پھر یہ تاکید آپ ﷺ کے بعد والے عمل (سواری پر وُتر) کو کیسے منسوخ کر سکتی ہے؟“ (معرفۃ السنن والآثار: 447/3)

اہل خرد انصاف کریں کہ صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو نبی اکرم ﷺ کے سواری پر وُتر ادا کرنے کو امت کے لیے بیان کرتے ہیں، وہ خود آپ ﷺ کی وفات کے بعد سواری پر وُتر ادا کرتے تھے اور اسے اسوۂ حسنہ قرار دے کر دوسروں کو اس کی تاکید بھی کرتے تھے۔ اگر سواری پر وُتر ادا کرنا منسوخ ہو چکا تھا تو انہیں کیوں علم نہ ہوا؟ امام طحاوی حنفی سے پہلے، سواتین سو سال تک، کسی امام و فقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ سواری پر وُتر ادا کرنا منسوخ ہو چکا ہے۔ اس پر مستزاد کہ امام بیہقی رحمہ اللہ جیسے محدث شہیر نے اس کا سختی سے علمی رد بھی کر دیا ہے۔ علامہ عبدالحی حنفی نے بھی امام طحاوی کے دعویٰ نسخ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَفِيهِ نَظَرٌ لَا يَخْفَى، إِذْ لَا سَبِيلَ إِلَى اثْبَاتِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ مَا لَمْ يُعْلَمْ ذَلِكَ بِنَصٍّ وَارِدٍ فِي ذَلِكَ.

”امام طحاوی حنفی کا دعویٰ نسخ واضح طور پر مردود ہے، کیونکہ نسخ کبھی بھی احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا، جب تک اس بارے میں قرآن و سنت کی واضح تعلیمات معلوم نہ ہو جائیں۔“

(التعليق الممجّد على مؤطّر مالك: 133)

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے:

إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَيُوتِرُ بِالْأَرْضِ، وَيَزَعُمُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ.

”وہ سواری پر (نفل) نماز ادا کرتے تھے، پھر وتر زمین پر ادا فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔“ (شرح معانی الآثار للطحاوي: 429/1، وسندہ صحیح) تو ایسا کرنا بالکل جائز اور درست ہے۔ سواری پر وتر ادا کیے جائیں یا زمین پر، دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کو سواری پر وتر ادا کرنے کے خلاف پیش کرنا دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ہم ان سے سواری پر وتر ادا کرنے کے بارے میں ان کے کئی شاگردوں کی صحیح الاسناد روایات پیش کر چکے ہیں۔

اگر پھر بھی کسی کو کوئی شبہ ہو تو وہ یہ روایت پڑھ لے۔ نافع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ رُبَّمَا أَوْتَرَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَرُبَّمَا نَزَلَ.

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وتر ادا فرماتے اور کبھی نیچے اتر کر۔“

(تہذیب الآثار للطبری: 541/1، سنن الدارقطني: 339/2، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اتر کر وتر ادا کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ سواری پر وتر کو ناجائز سمجھتے تھے، کیونکہ خود ان سے سواری پر وتر ادا کرنا بھی ثابت ہے، یعنی وہ حدیث رسول کی روشنی میں دونوں صورتوں کو جائز سمجھتے تھے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا نَزُولُ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَاحِلَتِهِ حَتَّى أَوْتَرَ بِالْأَرْضِ، فَمِنْ الْمُبَاحِ، إِنْ شَاءَ الَّذِي يُصَلِّي الْوُتْرَ صَلَّي عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَإِنْ شَاءَ صَلَّي عَلَى الْأَرْضِ، أَيْ ذَلِكَ فَعَلَ يُجْزِيهِ، وَقَدْ فَعَلَ ابْنُ عُمَرَ الْفِعْلَيْنِ جَمِيعًا،

رَوَيْنَا عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ رَبَّمَا أُوتِرَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَرَبَّمَا نَزَلَ، وَالْوِتْرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ جَائِزٌ، لِلثَّابِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُوتِرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَيَدُلُّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْوِتْرَ تَطَوُّعٌ، خِلَافَ قَوْلِ مَنْ شَذَّ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَخَالَفَ السُّنَّةَ، فَزَعَمَ أَنَّ الْوِتْرَ فَرَضٌ.

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اتر کر وتر ادا کرنا جواز کی دلیل ہے۔ وتر پڑھنے والا چاہے تو سواری پر پڑھ لے اور چاہے تو اتر کر۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں طرح سے وتر پڑھے ہیں۔ ہمیں یہ روایت مل گئی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وتر ادا فرماتے اور کبھی اتر کر۔ سواری پر وتر ادا کرنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ حدیث کی بنا پر جائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وتر نفل ہے، جن لوگوں نے اہل علم (سلف صالحین) اور سنت کی مخالفت میں وتر کو فرض سمجھا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔“

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: 247/5)

امام طبری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا رَوِيَ فِي ذَلِكَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِاللَّيْلِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ نَزَلَ، فَأُوتِرَ عَلَى الْأَرْضِ، فَإِنَّهُ لَا حُجَّةَ فِيهِ لِمُحْتَجِّ بِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى جَائِزًا لِلْمَرْءِ أَنْ يُوتِرَ رَاكِبًا، وَأَنَّهُ كَانَ يَرَى أَنَّ الْوِتْرَ فَرَضٌ كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ جَائِزٌ أَنْ يَكُونَ نُزُولُهُ لِلْوِتْرِ إِلَى الْأَرْضِ كَانَ اخْتِيَارًا مِنْهُ ذَلِكَ لِنَفْسِهِ، وَطَلَبًا لِلْفَضْلِ لَا عَلَى أَنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ الَّذِي لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ، هَذَا لَوْ لَمْ يَكُنْ وَرَدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِخِلَافِ ذَلِكَ خَبَرٌ، فَكَيْفَ وَالْخَبَارُ عَنْهُ بِخِلَافِ ذَلِكَ مِنَ الْفِعْلِ مُتَظَاهِرَةٌ؟

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ وہ رات کو نفل نماز سواری پر ادا فرماتے اور جب وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اتر کر زمین پر ادا کرتے، اس میں کسی کے لیے یہ دلیل نہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر کو ناجائز سمجھتے ہوئے کرتے تھے یا وہ وتر کو فرضی نمازوں کی طرح فرض سمجھتے تھے، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے زمین پر اتر کر زیادہ ثواب کے لیے ایسا کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ وہ اسے ضروری سمجھتے تھے۔ اگر ان سے اس کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو تو بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوگا، چہ جائیکہ اس کے خلاف ان سے (سواری پر وتر ادا کرنے کی) بہت سی روایات ثابت ہیں۔“

(تہذیب الآثار: 1/541)

امام بیہقی رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سواری سے اتر کر وتر پڑھنے کے بارے میں فرماتے ہیں: وَقَدْ ذَكَّرْنَا --- وَتَرَّ عَلَيَّ وَأَبْنِ عُمَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنُزُولِ ابْنِ عُمَرَ لِوَتَرِهِ لَا يَرْفَعُ جَوَازَهُ عَلَى الرَّاحِلَةِ.

”ہم ذکر کر چکے ہیں کہ۔۔۔ سیدنا علی اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سواری پر وتر ادا فرماتے تھے۔ جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اتر کر وتر ادا کرنا سواری پر وتر ادا کرنے کے جواز کو ختم نہیں کرتا۔“ (معرفۃ السنن والآثار 3/448)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کے بارے میں فرماتے ہیں: وَوَتَرُهُ عَلَى الْأَرْضِ فِيمَا لَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ قَدْ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَيْضًا، ثُمَّ جَاءَ سَالِمٌ وَنَافِعٌ وَأَبُو الْحُبَابِ، فَأَخْبَرُوا عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ. ”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زمین پر وتر ادا کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ وہ سواری پر بھی وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر سالم، نافع اور ابو الحباب نے یہ بیان بھی کر دیا ہے کہ وہ سواری پر وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔“ (شرح معانی الآثار: 1/430)

شراح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الطَّحَاوِيُّ: ذُكِرَ عَنِ الْكُوفِيِّينَ أَنَّ الْوِتْرَ لَا يُصَلَّى عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَهُوَ خِلَافُ السُّنَّةِ الثَّابِتَةِ، وَاسْتَدَلَّ بَعْضُهُمْ بِرِوَايَةِ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ رَأَى ابْنَ عُمَرَ نَزَلَ فَأَوْتَرَ، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِمُعَارِضٍ، لِكَوْنِهِ أَوْتَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، لِأَنَّهُ لَا نَزَاعَ أَنَّ صَلَاتَهُ عَلَى الْأَرْضِ أَفْضَلُ.

”امام طحاوی نے کوفیوں سے یہ بات ذکر کی ہے کہ سواری پر وتر نہ پڑھے جائیں۔ یہ بات ثابت شدہ سنت نبوی کے خلاف ہے۔ بعض لوگوں نے امام مجاہد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انہوں نے اتر کر زمین پر وتر ادا کیے۔ لیکن یہ روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سواری پر وتر ادا کرنے کے خلاف نہیں، کیونکہ بالاتفاق زمین پر وتر کرنا افضل ہے۔“ (فتح الباری: 2/488)

اعتراض نمبر ③: جناب تقی عثمانی دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر کو قدرت علی القیام کی صورت میں قاعداً (بیٹھ کر) پڑھنا جائز نہیں، جس کا تقاضا ہے کہ وتر علی الراجلہ (سواری پر) بطریق اولیٰ ناجائز ہو، کیونکہ راجلہ (سواری) پر نماز نہ صرف قیام سے بلکہ استقبال قبلہ اور قعود (بیٹھنے) کی ہیئت مسنونہ سے بھی خالی ہوتی ہے۔“ (تقریر ترمذی: 1/244)

”عقل بڑی کہ بھینس؟“ کی مصداق یہ وہ رائے ہے جس کی محدثین کرام مذمت کرتے ہیں۔ صحیح و صریح سنت نبوی کے خلاف یہ قیاس کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے سواری پر نماز وتر ادا کی ہے تو پھر یہ اعتراض کیسا؟ نبی اکرم ﷺ کی سواری پر نماز جائز تھی یا ناجائز؟ اگر جائز تھی تو اس حیلہ و حجت سازی کا کیا جواز؟

اعتراض نمبر ④: شراح ہدایہ، ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

إِنَّهُ وَاقِعَةٌ حَالٍ، لَا عُمُومَ لَهَا، فَيَجُوزُ كَوْنُ ذَلِكَ لِعُذْرٍ، وَالِاتِّفَاقُ عَلَى أَنَّ الْفَرَضَ يُصَلِّي عَلَى الدَّابَّةِ لِعُذْرِ الطِّينِ وَالْمَطَرِ وَنَحْوِهِ.

”یہ خاص واقعہ ہے، اس میں عموم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عذر کی بنا پر سواری پر وتر ادا کیا ہو اور اس بات پر اتفاق ہے کہ کچھ اور بارش کی مجبوری میں فرائض سواری پر ادا کیے جاسکتے ہیں۔“ (فتح القدیر: 371/1)

راوی حدیث، صحابی جلیل، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اسے اسوۂ حسنہ قرار دے کر یہ تعلیم دے رہے کہ سواری پر وتر جائز ہے اور اس کے خلاف ابن ہمام صاحب اسے ایک خاص واقعہ کہہ کر سواری پر وتر کو ناجائز قرار دے رہے ہیں۔ ائمہ محدثین کے فہم کے مطابق یہ سنت رسول ہے، جبکہ احناف بغیر دلیل شرعی کے نماز وتر کی سواری پر ادائیگی کو ناجائز کہتے ہیں۔ اسی بنا پر محدثین کرام ان کو مخالف سنت سمجھتے ہیں۔ کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے؟ صرف ابن ہمام کو یہ بات سوچھی ہے۔

یہ ہے تقلید کا بھیانک انجام کہ مقلدین کو اپنے امام کا بے دلیل مذہب بچانے کی خاطر کتنے پاڑ بیلنا پڑتے ہیں اور نتیجے میں سوائے سنت کی مخالفت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تقلید اور تعصب کو چھوڑ کر ہمیں سنت رسول پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مثال نمبر ② : تقلید اور جانور کے پیٹ کا بچہ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَكَاتُ الْجَنِينِ ذَكَاتُ أُمِّهِ» . ”اپنی ماں کے ذبح ہونے سے پیٹ کا بچہ بھی

ذبح ہو جاتا ہے۔“ (مسند الإمام أحمد: 39/3، سنن الدارقطني: 274/4، السنن الكبرى

للبيهقي: 335/9، وسنده حسن)

اس حدیث کے راوی یونس بن ابوالاسحاق سبعی، صحیح مسلم کے راوی ہیں اور جمہور محدثین کرام کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ان پر تدلیس کا الزام ثابت نہیں۔ ان کے بارے میں امام یحییٰ بن معین (سؤالات ابن الجنید : 430)، امام عجل (تاریخ الثقات : 486)، امام ابن سعد (الطبقات الکبریٰ : 344/6) رحمہ اللہ نے ثقہ، امام عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 244/9) وسندہ صحیح نے لم یکن بہ بأس (ان میں کوئی خرابی نہیں) اور امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (ایضاً) نے كَانَ صَدُوقًا (یہ سچے تھے) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 650/7) اور امام ابن شاپین رحمہ اللہ (الثقات : 1621) نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لَهُ أَحَادِيثٌ حَسَنَةٌ .

”انہوں نے حسن درجے کی احادیث بیان کی ہیں۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال : 179/7)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيثِ .

”یہ حسن الحدیث راوی ہیں۔“ (سیر أعلام النبلاء : 27/7)

نیز انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے۔ (من تكلّم فيه وهو موثّق : 393)

اس روایت کے دوسرے راوی ابو وداک جبر بن نوف بکالی بھی ثقہ ہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فَلَمْ أَرْ مَنْ ضَعَفَهُ، وَقَدْ احْتَجَّ بِهِ مُسْلِمٌ .

”میں نہیں جانتا کہ انہیں کسی نے ضعیف قرار دیا ہو، البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی

حدیث سے حجت لی ہے۔“ (التلخیص الحبیبر : 157/4، ح : 2009)

اس حدیث کو امام ابن حبان (صحیح ابن حبان : 5889) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔ (مختصر السنن : 120/4)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (المجموع : 562/2)

نیز فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ. ”یہ حدیث حسن ہے۔“

(تہذیب الأسماء واللغات: 111/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ غزالی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَقَالَ: هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَتَبَعَ فِي ذَلِكَ إِمَامَهُ (إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ الْجَوَيْنِيُّ).

”انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس سلسلے میں انہوں نے اپنے امام (امام الحرمین

جوینی) کی پیروی کی ہے۔“ (التلخیص الحبیبر: 157/4)

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (أَيْضًا)

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هَذِهِ مُتَابَعَةٌ قَوِيَّةٌ.

”یہ مضبوط متابعت ہے۔“ (أَيْضًا)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر بکری، گائے، اونٹنی وغیرہ کو ذبح کیا جائے تو اس

کے پیٹ میں جو بچہ ہوگا، وہ بھی ذبح ہو جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ یہ اہل حق کا

اجماعی مسئلہ ہے۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے نزدیک ایسے بچے کا کھانا حرام ہے۔

ان کے نزدیک اپنی ماں کے ذبح ہونے سے وہ بچہ ذبح نہیں ہوگا۔ اسے کھانا ناجائز ہے۔

(المبسوط للسرخسي: 6/12، الهداية للمرغيناني: 351/4، بدائع الصنائع للكاساني:

421/5، التنف في الفتاوى للسعدي: 228/1، البحر الرائق لابن نجيم: 195/8، مجمع الأنهر

في شرح ملتقى الأبحر لشيخ زاده: 512/2، رد المحتار على الدر المختار: 304/6)

یہ موقف صحیح احادیث، اجماع امت اور فہم محدثین کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بے اصل

اور بے دلیل بات ہے، جیسا کہ امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يُرَوْ عَنْ أَحَدٍ مِّنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ الْعُلَمَاءِ أَنَّ

الْجَنِينَ لَا يُؤْكَلُ، إِلَّا بِاسْتِنَافِ الذَّكَاءِ فِيهِ، إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَا

أَحْسِبُ أَصْحَابَهُ وَأَفْقُوهُ عَلَيْهِ .

”صحابہ و تابعین اور باقی اہل علم میں سے کسی سے بھی یہ بات مروی نہیں کہ (حلال جانور کے) پیٹ کے بچے کو الگ ذبح کیے بغیر نہیں کھایا جاسکتا۔ صرف امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کیا گیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اس مسئلے میں ان کے شاگردوں نے بھی ان کی موافقت کی ہو۔“ (نصب الراية للزيلعي الحنفي: 4/192)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرٍ، فَلَيْسَ لَهُ فِي حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ، وَلَا فِي قَوْلِ أَصْحَابِهِ، وَلَا فِي قَوْلِ الْجُمْهُورِ أَصْلٌ .

”امام ابوحنیفہ اور زُفر کے قول کی کوئی دلیل نہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں موجود ہے، نہ صحابہ کرام کے اقوال میں، نہ جمہور اہل علم کے مذہب میں۔“ (الاستدکار: 5/265)

شیخ الاسلام ثانی، علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

رَدُّ السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ الصَّرِيحَةِ الْمُحْكَمَةِ بِأَنَّ ذَكَاءَ الْجَنِينِ ذَكَاءُ أُمِّهِ، بِأَنَّهَا خِلَافُ الْأُصُولِ، وَهُوَ تَحْرِيمُ الْمَيْتَةِ، فَيُقَالُ: الَّذِي جَاءَ عَلَى لِسَانِهِ تَحْرِيمُ الْمَيْتَةِ هُوَ الَّذِي أَبَاحَ اللَّاحِظَةُ الْمَذْكُورَةَ، فَلَوْ قُدِّرَ أَنَّهَا مَيْتَةٌ لَكَانَ اسْتِثْنَاؤُهَا بِمَنْزِلَةِ اسْتِثْنَاءِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ مِنَ الْمَيْتَةِ، فَكَيْفَ وَلَيْسَتْ بِمَيْتَةٍ؟ فَإِنَّهَا جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ اللَّحْمِ، وَالذَّكَاءُ قَدْ أَتَتْ عَلَى جَمِيعِ أَجْزَائِهَا، فَلَا يَحْتَاجُ أَنْ يُفْرَدَ كُلُّ جُزْءٍ مِّنْهَا بِذَكَاءٍ، وَالْجَنِينُ تَابِعٌ لِللَّحْمِ، جُزْءٌ مِّنْهَا، فَهَذَا هُوَ مُقْتَضَى الْأُصُولِ الصَّحِيحَةِ، وَلَوْ لَمْ تَرِدِ السُّنَّةُ بِالِابَّاحَةِ، فَكَيْفَ وَقَدْ وَرَدَتْ بِالِابَّاحَةِ الْمُوَافَقَةَ لِلْقِيَاسِ وَالْأُصُولِ؟

”اپنی ماں کے ذبح ہونے سے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے، اس بارے میں ثابت

شدہ، صریح اور محکم سنت نبوی کو یہ کہہ کر رد کیا گیا کہ یہ اصول کے خلاف ہے، اصول یہ ہے کہ مُردار حرام ہے۔ ایسی باتیں کرنے والوں سے کہا جائے کہ جس ہستی (رسول اکرم ﷺ) کی زبان پر مردار کی حرمت نازل ہوئی، اسی نے مذکورہ پیٹ کے بچوں کو حلال قرار دیا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ (ذبح شدہ حلال جانور کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ) مُردہ ہے تو بھی یہ حرمت سے مستثنیٰ ہوگا، جیسے مردار کی حرمت سے مچھلی اور جراد (ٹڈی) مستثنیٰ ہے، چہ جائیکہ یہ مُردہ ہے ہی نہیں۔ پیٹ کا بچہ ماں کے اجزاء میں سے ایک جزء ہوتا ہے۔ ذبح کرنے سے جانور کے تمام اجزاء ذبح ہو جاتے ہیں، ہر ہر جزو جسم کو الگ الگ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پیٹ کا بچہ بھی ماں کا جزو جسم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ذبح ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں اگر ہمیں سنت نبوی نہ بھی ملتی تو صحیح اصولوں کا تقاضا یہی تھا۔ اب جبکہ اس بارے میں قیاس و اصول کے موافق سنت نبوی بھی مل گئی ہے، تو اسے رد کرنا کیسے جائز ہوا؟“

(إعلام الموقعین عن رب العالمین : 334/2)

علامہ ابو محمد، ابن قدامہ، مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) فرماتے ہیں:

وَلَاِنَّ هَذَا اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَا يُعْوَلُ عَلَى مَا خَالَفَهُ، وَلَاِنَّ الْجَنِينَ مُتَّصِلٌ بِهَا اِتِّصَالَ خِلْقَةٍ، يَتَغَذَّى بِغِذَائِهَا، فَتَكُونُ ذَكَاتُهُ ذَكَاتِهَا، كَأَعْضَائِهَا، وَلَاِنَّ الذَّكَاءَ فِي الْحَيَوَانِ تَخْتَلِفُ عَلَى حَسَبِ الْإِمَّاكَانِ فِيهِ وَالْقُدْرَةِ، بِدَلِيلِ الصَّيْدِ الْمُتَمَتِّعِ وَالْمَقْدُورِ عَلَيْهِ وَالْمُتَرَدِّدَةِ، وَالْجَنِينَ لَا يَتَوَصَّلُ إِلَى ذَبْحِهِ بِأَكْثَرِ مِنْ ذَبْحِ أُمِّهِ، فَيَكُونُ ذَكَاءَ لَهُ.

”صحابہ کرام اور بعد والے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے (کہ ماں کے ذبح ہونے سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے)، لہذا اس کے خلاف کسی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ تخلیقی حوالے سے متصل ہوتا ہے، اسی کی غذا سے وہ غذا پاتا ہے۔ یوں ماں کے ذبح ہونے سے اس کے دوسرے اعضاء کی

طرح وہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جانوروں میں ذبح کا طریقہ امکان و قدرت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شکار کو زندہ پکڑنے پر انسان قادر نہ ہو اور جس کو زندہ پکڑ لینے پر قادر ہو اور کنویں وغیرہ میں گر گیا ہو، ان کو ذبح کا طریقہ الگ الگ ہے۔ اسی طرح پیٹ کے بچے کو صرف اسی طرح ذبح کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر دیا جائے۔ یوں اس کی ماں کو ذبح کرنے سے وہ بھی ذبح ہو جائے گا۔“

(المغنی: 401/9)

نیز امام ابن منذر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ عَلَى إِبَاحَتِهِ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِنْهُمْ خَالَفَ مَا قَالُوا إِلَى أَنْ جَاءَ النُّعْمَانُ، فَقَالَ: لَا يَحِلُّ، لِأَنَّ ذِكَاةَ نَفْسٍ لَا تَكُونُ ذِكَاةَ نَفْسَيْنِ.

”لوگ (صحابہ و تابعین اور اہل علم) اس (جانور کے پیٹ کے بچے) کو حلال ہی سمجھتے تھے۔ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے صحابہ و تابعین اور اہل علم کی اس بات میں مخالفت کی ہو حتیٰ کہ نعمان (امام ابو حنیفہ) آئے اور کہا کہ یہ حلال نہیں، (اور یہ عقلی دلیل دی) کہ ایک جان کو ذبح کرنے سے دو جانیں ذبح نہیں ہوتیں۔“ (المغنی: 401/9)

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ، فَقَوْلُ مَنْ قَالَ بِمُوَافَقَةِ الْحَدِيثِ أَقْوَى.

”الحاصل، جس کا قول حدیث کے موافق ہے، وہی زیادہ قوی ہے۔“

(التعليق الممجد على المؤطّل لمحمد: 287)

بعض احناف مقلدین نے اس صحیح حدیث کو اپنے بے دلیل مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور کہہ دیا ہے کہ اس حدیث میں ذِكَاةُ أُمِّہ کو ذِكَاةُ أُمِّہ، یعنی نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا، یوں اس کا معنی یہ ہوگا کہ بچے کو بھی اس کی ماں کی طرح ذبح کیا جائے۔ یہ ایسی مردود اور باطل تاویل ہے، جو صحابہ و تابعین اور محدثین کرام کے

متفقہ فہم کے خلاف ہے۔ یہ حدیث بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

مشہور لغوی، علامہ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس باطل تاویل کے رد میں فرماتے ہیں:

وَالرَّوَايَةُ الْمَشْهُورَةُ: ذَكَاءُ أُمِّهِ، بَرَفَعِ ذَكَاءٍ، وَبَعْضُ النَّاسِ يَنْصِبُهَا، وَيَجْعَلُهَا بِالنَّصْبِ دَلِيلًا لِأَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ، رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، فِي أَنَّهُ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِذَكَاءٍ، وَيَقُولُونَ: تَقْدِيرُهُ [كَذَكَاءِ أُمِّهِ]، حُذِفَتِ الْكَافُ، فَانْتَصَبَ، وَهَذَا لَيْسَ بِشَيْءٍ، لِأَنَّ الرِّوَايَةَ الْمَعْرُوفَةَ بِالرَّفْعِ.

وَكَذَا نَقَلَهُ الْإِمَامُ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهُ، وَتَقْدِيرُهُ عَلَى الرَّفْعِ يَحْتَمِلُ أَوْجُهَاً، أَحْسَنُهَا أَنَّ [ذَكَاءَ الْجَنِينِ] خَبَرٌ مُقَدَّمٌ، وَ[ذَكَاءُ أُمِّهِ] مُبْتَدَأٌ، وَالتَّقْدِيرُ: ذَكَاءُ أُمِّ الْجَنِينِ ذَكَاءٌ لَهُ، كَقَوْلِ الشَّاعِرِ: بَنُونَا بَنُو أَبْنَانِنَا، وَنَظَائِرِهِ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْخَبَرَ مَا حَصَلَتْ بِهِ الْفَائِدَةُ، وَلَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَأَمَّا رِوَايَةُ النَّصْبِ عَلَى تَقْدِيرِ صِحَّتِهَا، فَتَقْدِيرُهَا [ذَكَاءُ الْجَنِينِ حَاصِلَةٌ وَقَدْ ذَكَاءُ أُمِّهِ]، وَأَمَّا قَوْلُهُمْ: تَقْدِيرُهُ [كَذَكَاءِ أُمِّهِ]، فَلَا يَصِحُّ عِنْدَ النَّحْوِيِّينَ بَلْ هُوَ لَحْنٌ، وَإِنَّمَا جَاءَ النَّصْبُ بِإِسْقَاطِ الْحَرْفِ فِي مَوَاضِعَ مَعْرُوفَةٍ عِنْدَ الْكُوفِيِّينَ بِشَرْطِ لَيْسَ مَوْجُودًا هُنَا.

”مشہور روایت ذکاءِ اُمِّہ یعنی رفع کے ساتھ ہی ہے۔ البتہ بعض الناس اسے نصب سے پڑھتے ہیں اور اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کے لیے اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ پیٹ کا بچہ ذبح کرنے ہی سے ذبح ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل عبارت کَذَكَاءِ أُمِّہ ہے، یعنی پیٹ کا بچہ اپنی ماں کی طرح ذبح ہوگا۔ کاف کو حذف کر دیا گیا تو یہ منصوب ہو گیا۔ لیکن یہ بات بالکل فضول ہے۔ امام ابوسلیمان خطابی وغیرہ نے اسے اسی طرح (رفع کے

ساتھ) ہی نقل کیا ہے۔ رفع کی حالت میں اصل عبارت کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ کو خبر مقدم بنایا جائے اور ذَكَاةُ اُمِّہ مبتدا ہو۔ اصل عبارت یوں ہوگی ذَكَاةُ اُمِّ الْجَنِينِ ذَكَاةُ لَّہ (ماں کا ذبح پیٹ کے بچے کے لیے بھی ذبح ہے)، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے: بَنُونَا بَنُو اَبْنَانِنَا (ہمارے بیٹوں کے بیٹے بھی ہمارے بیٹے ہیں)، وغیرہ۔ اس لیے کہ خبر وہ ہوتی ہے، جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو اور فائدہ تب حاصل ہوگا، جب ہماری مذکورہ صورت مراد لی جائے۔ رہی نصب والی صورت تو اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اصل عبارت یہ ہوگی [ذَكَاةُ الْجَنِينِ حَاصِلَةٌ وَقَتَ ذَكَاةِ اُمِّہ] کہ پیٹ کا بچہ اسی وقت ذبح ہو جاتا ہے جب اس کی ماں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اصل عبارت كَذَكَاةِ اُمِّہ ہے، یہ نحو یوں کے ہاں درست نہیں، بلکہ غلط ہے، کیونکہ صرف کو فیوں کے ہاں کسی حرف کے حذف ہونے سے نصب آتی ہے اور وہ خاص ہے بعض معروف مقامات کے ساتھ اور وہ بھی ایک شرط کے پورا ہونے پر، جو یہاں پائی ہی نہیں جا رہی۔“

(تہذیب الأسماء واللغات: 112/3)

علامہ زبیلی حنفی (م: 762ھ) بعض الناس کے رد میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ : وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَّه : [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ اُمِّہ]، بِنَصْبِ [ذَكَاةِ] الثَّانِيَةِ، لِتَوْجِبَ ابْتِدَاءَ الذَّكَاةِ فِيهِ إِذَا خَرَجَ، وَلَا يُكْتَفَى بِذَكَاةِ اُمِّہ، وَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا هُوَ بِالرَّفْعِ، كَمَا هُوَ الْمَحْفُوظُ عَنْ أَئِمَّةِ هَذَا الشَّانِ، وَأَبْطَلَهُ بَعْضُهُمْ بِقَوْلِهِ : «فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ اُمِّہ»، لِأَنَّهُ تَعْلِيلٌ لِإِبَاحَتِهِ، مِنْ غَيْرِ إِحْدَاثِ ذَكَاةٍ .

”علامہ منذری رحمہ اللہ نے مختصر السنن میں فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے خاص مقصد

کے تحت اس حدیث کو دوسرے لفظ ذَكَاة کی نصب کے ساتھ [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ اُمِّہ]

روایت کیا ہے، تاکہ اس حدیث سے بچے کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسے دوبارہ ذبح کرنا ضروری قرار دیا جائے اور اس کی ماں کے ذبح ہونے کو اس کے لیے کافی نہ سمجھا جاسکے۔ لیکن یہ فضول حرکت ہے۔ یہ حدیث لفظ ذکاة کے رفع کے ساتھ ہی ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث سے ثابت ہے۔ بعض محدثین کرام نے اس بات کا رد حدیث میں موجود ان الفاظ سے کیا ہے: «فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ»، کیونکہ یہ الفاظ تو بغیر ذبح کیے جانے والے بچے کے حلال ہونے کی علت کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔“ (نصب الرایة: 4/191، 192)

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی نے بھی یوں اس کا رد کیا ہے:

وَفِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّ الْمَحْفُوظَ عَنْ أَيْمَةِ الشَّانِ الرَّفْعُ، صَرَّحَ بِهِ الْمُنْذِرِيُّ.
”یہ محل نظر بات ہے، کیونکہ ائمہ حدیث سے رفع ہی منقول ہے۔ علامہ منذری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے۔“ (التعليق الممجد على مؤطا محمد، ص: 287)

تنبیہ: بعض لوگوں نے اس مسئلے میں صحیح و صریح حدیث نبوی اور اجماع

امت کے خلاف امام ابراہیم حنفی تابعی کا یہ قول پیش کیا ہے:

لَا يَكُونُ ذَكَاةُ نَفْسٍ ذَكَاةُ نَفْسَيْنِ، يَعْنِي أَنَّ الْجَنِينَ إِذَا ذُبِحَتْ أُمُّهُ لَمْ يُؤْكَلْ حَتَّى يُدْرَكَ ذَكَاتُهُ.
”ایک جان کا ذبح دو جانوں کے ذبح کا کام

نہیں دے سکتا، یعنی جب ماں کو ذبح کیا جائے تو اس کے پیٹ کا بچہ ذبح نہیں ہوگا، ہاں، اگر خود اس بچے کو بھی ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ حلال ہوگا۔“

(كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيباني، ص: 186)

لیکن امام ابراہیم حنفی سے یہ قول ثابت نہیں، کیونکہ:

① صاحب کتاب محمد بن حسن شیبانی محدثین کے ہاں ”متروک“ اور ”کذاب“ ہے۔

② ان کے استاذ بھی باتفاق محدثین غیر معتبر اور غیر ثقہ ہیں۔

③ حماد بن ابوسلمان ”مختلط“ راوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے حماد سے اختلاط سے پہلے روایات لی ہیں، جیسا کہ حافظ یشمی فرماتے ہیں: وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادٍ إِلَّا مَا رَوَاهُ عَنْهُ الْقَدَمَاءُ، شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالِدَسْتَوَائِيُّ، وَمَنْ عَدَا هَؤُلَاءِ رَوَوْا عَنْهُ بَعْدَ الْإِخْتِلَاطِ.

”حماد کی وہی حدیث قبول ہوگی جو اس سے اس کے پرانے شاگردوں، یعنی شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام دستوائی نے بیان کی ہے۔ باقی لوگوں نے ان سے اختلاط کے بعد ہی روایات لی ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 119/1)

ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ تک تمام صحابہ و تابعین اور اہل علم کے نزدیک صحیح حدیث کی روشنی میں پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے کے ساتھ ہی ذبح ہو جاتا ہے۔ اب امام ابوحنیفہ کو یہ حدیث نہ ملی اور انہوں نے اپنی رائے سے یہ بات کہہ دی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صحابہ و تابعین کے اجماع کی پاسداری کرتے ہوئے حدیث نبوی پر عمل کیا جاتا، لیکن براہو تقلید کا کہ وہ دین الہی کے مقابلے میں نیا دین کھڑا کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تقلید جیسی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین!



قَالَ بَعْضُ النَّاسِ!

جناب تقی عثمانی دیوبندی، علامہ زیلیعی حنفی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”امام بخاری رحمہ اللہ حنفیہ پر اعتراض کرنے میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور انہیں [قَالَ

بَعْضُ النَّاسِ] کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔“ (تقریر ترمذی: 503/1)

